خلاصی پانے کے لیے ہمیں اپنے نفس کی جانی بوجھی تحریکوں سے اور نیز اپنے باطن کے تہ کی انجان تحریکوں سے پوری طرح واقف رہنا ہوگا۔ ہمارے دل کی گہری اندرونی کیفیت کے پیچ و خم کو سلجھانے کے لیے نہ تو قیاسی تصورات، نہ کسی دستور العمل، اور نہ کسی مستند نمونے کے مطابق کاربند ہونے سے کام چلے گا، بلکہ برعکس اس کے کسی قسم کے عقل گدوں سے، یا کسی خاص نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش سے، باطن کی عقدہ کشائی میں اور زیادہ خلل پڑے گا، اسی ادھیڑ بن میں رہنے سے کہ "ہمیں کیا ہونا چاہیے"، یا محض اصولوں اور تصورات کے ساتھ وابستہ رہنے سے، یا کوئی خاص منزل مقصود معین کر لینے سے، مختلف قسم کے مغالطے پیدا ہو جائیں گے۔ اگر ہم واقعی اپنے آپ کو سمجھنا چاہتے ہیں، تو طبیعت میں خود روی اور مشاہدہ کی آزادی ہونا لازم ہے۔ لیکن اگر ہمارا دل و دماغ محض فروعی باتوں یا تصورات یا مادّہ پرستی کے جال میں پھنسا رہے تو ایسی آزادی ناممکن ہے۔

وجود اور ہستی کا انحصار، سلسلۂ تعلقات پر ہے۔ خواہ ہمارا تعلق کسی منظّم مذہب سے ہو یا نہ ہو، یا ہم صرف دنیا دار ہوں یا معیار کے پھندے میں اُلجھے ہوئے ہوں، ہماری اذیت اسی وقت دور ہوگی جب ہم اپنے آپ کو باہمی ارتباط کے سلسلے میں جانیں پہچانیں۔ صرف خود شناسی سے ہی انسان کو خوشی اور سکون نصیب ہو سکتا ہے۔ کیونکہ خود شناسی،

ذکاوت اور تکمیل کی ابتدا ہے۔ محض اوپری اور سطحی ترتیب دے دینے کے معنی دانشمندی نہیں ہے، اور نہ صرف تحصیل علم یا محض ذہن رسا پیدا کرنا اس کا مقصد ہے۔ زندگی کے طریقِ کار سمجھنے کی صلاحیت کا نام ذکاوت ہے۔ یہ تو دراصل صحیح اقدار کا شعور ہے۔ زمانۂ حال کی تعلیم، ذہن کی ترقی کے لیے تو البتہ بہت کچھ نظریات اور حقایق پیش کر دیتی ہے لیکن انسانی ہستی کے سارے سلسلۂ عمل کا ادراک نہیں پیدا کرتی۔ ہم نے دماغی ترقی ضرور حاصل کر لی ہے مگر ریاکاری بھی دلوں میں بڑھ گئی ہے اور توضیحات اور دلائل میں ہم اُلجھے رہتے ہیں۔ اصولوں کے چرچے اور تعبیروں کے تذکرہ سے چاہے ذہن کی تشفی ہو جائے لیکن فہم و دانش کی آسودگی نہیں ہوتی۔ زندگی کی ساری روانی سمجھنے کے لیے قلب و دماغ میں مطابقت اور ہم آہنگی ہونی چاہیے۔ فہم و ذکا ہرگز محبت سے علحدہ اور جدا نہیں۔ ایسا باطنی انقلاب ہم میں سے بیشتر کے لیے نہایت دشوار ہے۔ ہم یہ تو جان لیتے ہیں کہ دھیان اور مراقبہ کیسے کیا جائے، باجا کس طرح بجایا جائے، لکھنا کیوں کر سیکھا جائے، لیکن ہم جو عبادت کرنے والے ہیں یا باجا بجانے والے ہیں، یا کاتب ہیں، اس کا کوئی علم نہیں ہوتا۔ ہم میں جدت طبع اور تخلیق کا مادّہ بالکل نہیں ہے، کیونکہ ہم نے اپنے دل و دماغ میں علم اور معلومات کا ڈھیر جمع کر رکھا ہے، جس کا ہمیں بڑا گھمنڈ رہتا ہے۔ ہم صرف دوسروں کے خیالات اور کلام کا حوالہ دیتے رہتے